خواجہ حمید یزدانی

رسالہ در زمان و مکان

خواجہ محمد پارسا

خواجہ محمد پارسا[1] آٹھویں صدی ہجری / چودھویں صدی عیسوی کے مشہور نقشبندی صوفی، خواجہ بہار الدین نقشبند
(۷۹۱/۱۳۸۹) کے خلیفہ اور عہد تیموری کے رجالِ معروف میں سے تھے اور اپنے بلند عرفانی مقامات کے سبب
اہمیت و شہرت اور اثر و غلبہ کے مالک تھے۔ اسم گرامی خواجہ جلال الدین یا شمس الدین محمد بن محمد بن محمود
البخاری ہے۔ ۷۵۶[1]/۱۳۵۵ء میں بخارا میں ان کی ولادت ہوئی۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر طیار کی اولاد سے تھے۔
نقشبندیہ فرقے کے پیشروؤں کو "خواجہ" کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے، اسی بنا پر یہ لفظ ان کے نام کا بھی
بنا۔ اور پارسا[2] کا لقب ان کے پیر و مرشد خواجہ بہار الدین نے دیا تھا۔ خواجہ پارسا اپنے وقت کے علوم معقول و
ل کے جید عالم ہونے کے ساتھ ساتھ تصوف کے بھی نامور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ان کے اسی علمی و روحانی
ے کے سبب ان کے تمام خرد و کلاں معاصرین ان کا بے حد احترام کرتے تھے۔ بعد کے لوگوں نے بھی ان کا نام
ے و احترام سے لیا ہے۔

---

[1] رسالہ قدسیہ کے مرتب نے ۷۴۹ھ لکھا ہے۔ (ملاحظہ ہو رسالہ قدسیہ چاپ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان ص ۳)۔

[2] خزینۃ الاصفیا میں ان کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی گئی ہے کہ جب خواجہ محمد پہلی مرتبہ خواجہ بہار الدین کے یہاں گئے تو لوگ نے اندر جاکر
کہ ایک متقی و پارسا شخص باہر آیا ہے۔ خواجہ نقشبند نے فرمایا کہ وہ واقعی پارسا ہے اور اس کا نام بھی پارسا ہوگا۔ پھر
باہر تشریف لے گئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہم نے تمھارا نام پارسا رکھ دیا ہے۔ ان شاء اللہ اسم بامسمیٰ ہوگئے۔ چنانچہ اسی وقت
یہ ان کے نام کا جزو بن گیا۔ (ص ۵۵۹)

خواجہ بہاء الدین نقشبند کی وفات کے بعد خواجہ پارسا بخارا میں ان کے جانشین بنے۔ ایک مدت تک فرقہ نقشبندیہ کی سربراہی ان کے پاس رہی، ان کی وفات کے بعد ان کے بیٹے خواجہ برہان الدین ابو نصر پارسا (م ۸۶۵ھ/ ۱۴۶۱ء) کو منتقل ہو گئی۔ خواجہ برہان کا شمار بھی کبار مشائخ نقشبندیہ میں ہوتا ہے۔

۸۲۲ھ/ ۱۴۱۹ء میں خواجہ پارسا سفر حج پر روانہ ہوئے۔ راستے میں ترمذ، بلخ، ہرات اور بعض دیگر شہروں میں سے گزرتے وقت وہاں کے مزاراتِ متبرکہ پر بھی گئے اور ہر جگہ کے سادات، مشائخ اور علمائے کرام نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور اعزاز و اکرام کے ساتھ ان سے پیش آئے۔ جب حج ادا کر کے مکہ سے مدینہ پہنچے تو دورانِ اقامت میں ان کا وصال ہو گیا۔ چنانچہ وہیں انھیں حضرت عباس بن عبد المطلب کے مزار کے نزدیک دفنا دیا گیا۔

خواجہ پارسا نے بہت سی تصانیف اپنی یادگار چھوڑی ہیں، جن میں سے بعض کا تعلق نقشبندی طریقت کے مطابق عرفانی مسائل کی شرح سے ہے، اور ان کا یہ انداز، جیسا کہ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے لکھا ہے، ابن عربی کے انداز سے بہت قریب ہے۔[3] ان کی تصانیف میں سب سے زیادہ مشہور فصل الخطاب لوصل الاحباب یا فصل الخطاب فی المحاضرات ہے، جسے "کتابخانہ ہای پاکستان" (جلد اوّل) کے مرتب نے ایک جگہ خواجہ پارسا کی ایک اولاد سے منسوب کیا ہے (ص ۱۶۲)؛ انیس الطالبین جس میں خواجہ بہاء الدین نقشبند کے مقامات کے بارے میں تفصیل ہے، عُدّۃ السالکین جو خواجہ نقشبند کے کلمات و بیانات سے ماخوذ اور رواں فارسی میں ہے، رسالہ قدسیہ، جسے بعض لوگ خواجہ بہاء الدین نقشبند سے منسوب کرتے ہیں۔ (یہ کتاب ملک محمد اقبال کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، اسلام آباد کی طرف سے شائع ہو گئی ہے)، شرح فصوص الحکم اور ان کے علاوہ بعض دیگر رسائل و کتب اور بعض سورتوں کی تفسیریں وغیرہ قابلِ ذکر ہیں۔

رسالہ زمان و مکاں جس کا یہاں اردو روپ پیش کیا جا رہا ہے، درحقیقت کوئی الگ تصنیف نہیں بلکہ خواجہ پارسا کی مشہور کتاب فصل الخطاب ہی کا ایک حصہ ہے، جسے "فہرس المخطوطات الفارسیہ دارالکتب قاہرہ" میں ایک الگ رسالہ قرار دیا گیا ہے،[4] لیکن معلوم ہوتا ہے کسی شخص نے اسے مذکورہ کتاب سے اقتباس کے طور پر لیا

[3] تاریخ ادبیات در ایران جلد ۴، ص ۴۸۳

[4] رسالہ قدسیہ، ص ۳۴

در بعد میں اسے الگ نام دے کر ایک جداگانہ تصنیف قرار دے دیا۔ بہر حال معاملہ کچھ بھی ہو یہ رسالہ جو چند اوراق کی صورت میں قاہرہ کے کتب خانے میں موجود اور نسخۂ منحصر بہ فرد ہے، خواجہ پارسا کی تصنیف کا حصہ ہے۔ ملاحظہ ہو ترجمہ:

شیخِ عارفِ کامل اور محقق خواجہ محمد پارسا نے اپنی کتاب "فصل الخطاب"[۵] میں اور بعض عرفا رحمہم اللہ نے اپنے کلام میں زمان و مکان سے متعلق جو حقیقت بیان کی ہے وہ کچھ اس طرح ہے:

معرفتِ مکان

واضح ہو مکان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم مکان جسمانیات ہے اور دوسری روحانیات۔ جسمانیات یا تو کثیف ہے یا لطیف یا پھر الطف (بہت لطیف)۔ کثیف جسمانیات کا مکان، زمین ہے اور اس (زمین) میں رکاوٹ اور تنگی ظاہر ہے، کیونکہ جب تک ایک شخص آگے نہیں بڑھے گا دوسرا اس کی جگہ پر نہیں بیٹھ سکے گا۔ پھر اس میں قرب اور بُعد بھی واضح ہے۔ اس مکان میں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا قدموں کی وساطت اور قطعِ مسافت سے ہے۔

جسمانیاتِ لطیف کا مکان ہوا ہے۔ اس مکان میں بھی مزاحمت (رکاوٹ) ہے۔ جب تک ایک ہوا کہ اس گھر میں ہے، باہر نہیں نکل جاتی، دوسری ہوا اس کی جگہ اندر داخل نہیں ہو سکتی۔ البتہ (دونوں میں فرق یہ ہے کہ) جسمانیات کثیف کے مکان میں جس مسافت کو طے کرنے کے لیے زیادہ وقت درکار ہوتا ہے، جسمانیاتِ لطیف کے مکان میں وہی مسافت تھوڑی مدت میں طے کی جا سکتی ہے۔ ایک پرندہ اس مکان (لطیف) میں ایک ساعت میں جس قدر فاصلہ پرواز سے طے کر جاتا ہے، اتنا فاصلہ زمین پر کہیں زیادہ مدت لیتا ہے۔

جسمانیاتِ لطیف کے مکان میں بھی بُعد اور مسافت ہے۔ چنانچہ ایک پرندہ اگر مشرق سے مغرب کی طرف پرواز کرتا ہے تو اس کے لیے اسے مدت درکار ہو گی۔

---

۵ یہ کتاب جیسا کہ "کتب خانہ ہای پاکستان" جلد اوّل کے مرتب محمد حسین تسبیحی نے لکھا ہے، حافظ محمد بن محمد الحافظی نقشبندی (البخاری)... خواجہ پارسا متوفی ۸۲۲ھ کی ہے، ملاحظہ ہو صفحہ ۱۶۲۔ لیکن ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا نے اسے خواجہ پارسا ہی کی تصنیف بتایا ہے اور اس کے دو نام لکھے ہیں: فصل الخطاب لوصل الاحباب یا فصل الخطاب فی المحاضرات۔ تاریخ ادبیات در ایران جلد چہارم۔ تہران، ص ۲۰۳، نیز ص ۵۰۔

جسمانیاتِ الطف کا مکان، صوری (ظاہری) انوار کا مکان ہے، جیسے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں وغیرہ کا نور (روشنی)۔ اور جو چیز جسمانیات لطیف کے مکان میں دور ہے، جسمانیاتِ الطف کے مکان میں وہ نزدیک ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ ادھر آفتاب مشرق سے طلوع ہوا، ادھر (اسی لمحے) اس کی روشنی مغرب تک جا پہنچی۔ اسی طرح آتش مشعل کی روشنی کی بھی [اپنی حد تک (جہاں وہ پہنچ کر منقطع ہو جاتی ہے)] یہی کیفیت ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ جب کسی کمرے میں شمع لے جاؤ اور وہ کمرہ ہوا سے پُر ہو تو کمرے سے اس ہوا کے خارج ہوئے بغیر شمع کی روشنی پورے کمرے میں پھیل جائے گی۔ اس سے واضح ہوا کہ روشنی کا ہوا کے اندر ایک اور مکان ہے جو ہوا کے مکان سے زیادہ لطیف ہے اور جہاں ہوا اپنی کثافت کے باعث ہرگز داخل نہیں ہو سکتی اور نہ روشنی ہی اپنی لطافت کے سبب، مکانِ باد (ہوا) کے شگاف کے مطابق، مکانِ باد میں داخل ہو سکتی ہے، لیکن ان دو مکانوں کے بے حد قریب ہونے اور باطنی مکاشفات و مشاہدات اور روحانی معائنوں کی بنا پر یہ بات صورت پذیر ہو جاتی ہے۔

اس کی دوسری مثال جو فہم کے زیادہ نزدیک ہے، یہ ہے کہ ہم کہتے ہیں آگ طبعی لحاظ سے پانی کی ضد ہے اور پانی اور آگ کا کسی ایک جگہ جمع ہونا اجتماعِ ضدین ہے اور یہ اجتماع وقوع پذیر نہیں ہے۔ جب یہ بات روشن ہو گئی تو یہ بھی معلوم ہو کہ کھولتے پانی میں آگ موجود ہے اور یہ آگ ہی ہے جو ہاتھ جلاتی ہے نہ کہ پانی (کھولتا پانی ہاتھ نہیں جلاتا بلکہ اس میں موجود آگ ہاتھ جلاتی ہے)۔ اس طرح آگ کا پانی میں ایک اور مکان ہے جو مکانِ آب کے علاوہ ہے، حالانکہ مکانِ آب میں آگ نہیں اور مکانِ آتش میں پانی نہیں ہے، اس لیے کہ آگ اور پانی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے، تاکہ اس سے اجتماعِ ضدین لازم نہ ٹھہرے۔ لیکن یہ دو مکان ایک دوسرے کے بہت ہی قریب ہیں۔ پانی کا کوئی ایک بھی جزو جلانے کی خاصیت کا حامل نہیں ہے جو یہ کہا جا سکے کہ یہ بغیر آگ کے پانی ہے یا یہ آگ ہے پانی نہیں۔ ان دونوں مکانوں کے انتہائی باہم قریب ہونے کے سبب، ان میں امتیاز نہیں ہو سکتا، نہ تو انھیں متصل کیا جا سکتا ہے اور نہ منفصل (الگ الگ)

جب جسمانیاتِ الطف کے اس مکان کی حقیقت معلوم ہو گئی تو اب یہ جاننا چاہیے کہ کثیف اور لطیف جسمانیات کے مکان کے برعکس، جیسا کہ بیان ہوا، اس مکان میں مضایقہ (تنگی) اور مزاحمت (رکاوٹ) نہیں ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اگر کسی کمرے میں ایک شمع جلائی جائے تو اس کی روشنی کمرے کے تمام گوشوں میں پہنچے گی، اور اگر سو شمعیں اور بھی وہاں جلادی جائیں تب بھی، پہلی شمع کو وہاں سے باہر نکالے بغیر سب کی روشنیاں

ایک ہی مکان میں جمع ہوں گی (یعنی ایک ہی روشنی ہوگی)۔ واضح ہو کہ اس مکان میں بھی بُعد اور مسافت ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شمع کی روشنی کثیف پردوں میں سے نہیں گزر سکتی اور جب بعد زیادہ ہوگا تو وہ منقطع ہو جائے گی۔

مکان ہائے روحانیت کی کئی قسمیں ہیں۔ روح جس قدر لطیف ہوگی، اس کا مکان بھی اتنا ہی لطیف ہوگا۔ اس کا حاصل چار اقسام کی صورت میں ہے۔ اوّل وہ ملائکہ جو اس زمین پر اور اس زمین سے نیچے کی زمینوں پر محافظ مقرر ہیں، پھر وہ فرشتے جو عالمِ سفلی کے انتظام و ترتیب کے لیے دریاؤں (پانی) پر مامور ہیں۔ یہ فرشتے پہلے آسمان سے اوپر نہیں جاتے، یعنی وہ بیشتر پہلے آسمان ہی پر رہتے اور چلتے پھرتے ہیں، اس سے آگے نہیں بڑھتے، ہر چند انھیں آگے بڑھنے اور مزید اوپر چڑھنے کی قدرت حاصل ہے، لیکن ترتیب و تنظیم کی خاطر انھیں اس جگہ پابند رکھا گیا ہے، چنانچہ وہ بالشت بھر آگے نہیں بڑھتے (اور ان کا ایک خاص مقام ہے جس سے وہ آگے نہیں جاتے)۔ ان کے درجات اور مقامات میں بڑا فرق ہے، لیکن ان سب کو درجہ اوّل میں شمار کیا گیا ہے تاکہ بات طویل نہ ہو جائے۔

دوسرے درجے میں آسمانوں کے ملائکہ ہیں اور ہر آسمان کے باسی اسی آسمان پر ہوتے ہیں، اسی طرح تمام عرش والے اور عرش کے ارد گرد پھرنے والے جو عرش کے نیچے ہیں، ان کے مقامات میں فرق کی انتہا نہیں ہے۔

روحانیاتِ اعلیٰ، جو تیسرے درجے میں ہیں، دربارِ ربوبیت کے مقربین ہیں اور تفاوت کے لحاظ سے ان کے صفتِ مراتب کی انتہا نہیں ہے۔ ان کے مقامات غیبی عالموں میں ہیں۔ وہ لطیف قوی ہیں اور ان کی لطافت اس حد تک ہے کہ اگر وہ چاہیں کہ خود کو ان فرشتوں سے، جو ان کے نیچے ہیں، کچھ اس طرح چھپا لیں کہ وہ ان کو نہ دیکھ سکیں تو کثرتِ لطافت کے سبب وہ دیوار میں سے اس طرح نکل آتے ہیں جیسے کوئی دروازے سے نکلے۔ ان کے مکانوں میں بھی بُعد و دوری کی ایک قسم ہے، اس لیے کہ انہیں حرکت کی ضرورت ہے، اگرچہ وہ پلک جھپکنے میں اپنے مقصد تک جا پہنچتے ہیں، لیکن ان کی یہ ضرورتِ حرکت، روحیت میں ان کے کمال کے منافی نہیں ہے۔

چوتھا درجہ ارواح کا درجہ ہے، اور ارواح کے درجات میں بھی، لطافت میں ارواح کے تفاوت کے مطابق فرق ہے۔ لطافت میں کمال انسانی روح کو حاصل ہے۔ یہ روح انتہائی لطیف ہے اور لطافت کے لحاظ

سے کوئی بھی مخلوق اس کے درجے تک نہیں پہنچتی۔ عرش سے لے کر تحت الثریٰ تک کوئی بھی ذرّہ اس سے دور نہیں ہے۔ اسے حرکت کی کوئی حاجت نہیں، جہاں کہیں بھی اسے ڈھونڈو گے پاؤ گے۔ وہ نہ تو متصل ہے اور نہ منفصل، نہ داخل نہ خارج اور نہ متحرک نہ ساکن۔ اور یہ سب کچھ عقلی دلائل سے معلوم ہے۔ اور عقلی دلائل اسی کے لیے ہیں جو قلبی مکاشفات، باطنی مشاہدات اور روحانی معائنات (مشاہدوں) سے عاری ہے۔ جب معرفت کا آفتاب طلوع ہوگیا، پھر چراغ عقل کی ضرورت نہیں رہتی۔

روحِ انسانی جب کمال کو پہنچتی ہے تو جسم کو روحانیات کے مکان میں لے جاتی ہے۔ (ایسے لوگ) اگر آگ میں داخل ہوں تو آگ انھیں نہیں جلاتے گی اور دوزخ میں داخل ہوں تو راستی وعدہ "و ان منکم الا وارِدھا" (تم میں سے ہر ایک کو اس میں سے گذرنا پڑے گا) کی بنا پر اس سے باہر نکل آئیں (یعنی انھیں کوئی ضرر نہیں پہنچتا)۔ دیواروں میں سے اس طرح نکلیں جیسے کوئی دروازے سے نکلتا ہے، اور خود کو جس کسی کی نظروں سے چھپانا چاہیں چھپالیں۔ یہ سب کچھ ممکن ہے، ممکن رہا ہے اور ممکن رہے گا۔ لیکن ایسا نہ تو ممکن ہے، نہ صورت پذیر ہے اور نہ روا ہوگا) کہ حق سبحانہ و تعالیٰ ان مذکورہ مکاناتِ جسمانیات اور مکاناتِ روحانیات کی کسی ایک چیز میں بھی داخل فرما ہو جائے یا اس سے پیوست ہو یا اس کے بالمقابل ہو یا کوئی مخلوق اس خدائے بزرگ و برتر کے علوِ مکان اور درجۂ قدسیت تک پہنچے۔ اور حق تعالیٰ تو "مقدس عن کل مالا یلیق بجلالہ من النقائص الکونیہ مطلقاً و من جمیع مایعدکمالا بالنسبۃ الی غیرہٖ فی الموجودات مجردۃ کانت اوغیر مجردۃ وھو سبحانہ وتعالیٰ وکمالاتہ الذاتیۃ اعلیٰ من کل کمال یدرکہ عقل وفہم وخیال (ذاتِ مقدس بیچونش از نسبت زمان و مکان بری و متعالی است وصفات ما پاکش از شائبہ تشبیہ و تمثیل عاری وخالی) ان نقائص کونیہ سے مطلقاً پاک ہے جو اس کے جلال کے لائق نہیں، اور ان نقائص سے بھی پاک ہے جو اس کے کسی غیر کی نسبت سے کمال شمار کیے جاتے ہیں یعنی وہ کمالات جو مجرد یا غیر مجرد دونوں قسم کی موجودات میں پائے جاتے ہیں، اور وہ ذاتِ اقدس پاک اور برتر ہے اور اس کے ذاتی کمالات ہر اس کمال سے اعلیٰ ہیں جسے عقل یا فہم یا خیال پاسکتا ہے۔ اس لاشریک کی ذات اقدس زمان و مکان سے کسی قسم کے بھی تعلق و نسبت سے بری اور بلند ہے اور اس کی پاک صفات ہر طرح کی تشبیہ اور تمثیل سے خالی اور مبرا ہیں۔ مثنوی،

ذاتِ او نزدِ عارف و عالم ‌ ‌ ‌ ‌ برتر از ما وکیف از ہل و لم

پاک از آنہا کہ غافلاں گفتند پاک تر زانچہ عاقلاں گفتند

(عارف و عالم کے نزدیک اس کی ذات "کیا ہے"، "کیسے ہے"، "کیا وہ ہے" اور "وہ کیوں" ہے، ایسی گفتگو سے بالاتر ہے۔ جو کچھ غافل لوگوں نے کہا ہے اس سے پاک ہے اور جو کچھ عاقلوں نے کہا ہے، اس سے کہیں زیادہ پاک ہے)۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ حدیث روایت ہوئی ہے: "یقول اللہ تعالیٰ وعزتی وجلالی ووحدانیتی وفاقۃ خلقی الیّ واستوائی علی العرش وارتفاع مکانی انی استحی من عبدی وامتی یشیبان فی الاسلام ان اعذ بھما"۔

(اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میری عزت کی قسم، میرے جلال کی قسم، میری توحید کی قسم، میری مخلوق کی مجھ سے احتیاج کی قسم میرے عرش پر مستوی ہونے کی قسم، میرے مکان کی بلندی کی قسم، میں اپنے بندے اور بندی سے حیا محسوس کرتا ہوں کہ وہ اسلام میں بوڑھے ہوں اور میں انھیں عذاب میں ڈالوں)۔

اور ایک دوسری حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ارشاد ہوا ہے: "یقول اللہ تعالیٰ وعظمتی وجلالی وارتفاع مکانی لا یدخل الجنۃ احد قلبہ مظلم"۔

(ارشاد ربانی ہے: مجھے اپنے جلال و عظمت اور رفعت مکان کی قسم کوئی ایسا شخص جنت میں داخل نہ ہوگا جس کا دل تاریک ہوگا)۔

ان کے علاوہ بھی احادیث میں جہاں کہیں ارتفاع مکانی کا ذکر ہوا ہے، اس سے مراد مکانِ بے مکانی ہے۔ اور یہ ارتفاع اشارہ ہے علوِ ذاتی کی طرف، جب کہ رفعتِ مکانیت اور تقدس ذات اس رفعت کی طرف اشارہ ہے۔ اس صاحبِ عرش اور رفیع الدرجات خدائے بزرگ و برتر کا ارشاد ہے: کسی ایک مثال کے ساتھ روح کی معیت، تمام کائنات کے ساتھ حق سبحانہٗ کی معیت ہے۔ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ (جس نے اپنی ذات کو پہچانا اس نے اپنے رب کو پہچانا)۔ روح پر اجسام کے اعراض، جیسے دخول، خروج، اتصال اور انفصال، نافذ نہیں ہیں تو پھر حق تعالیٰ پر کیونکر (جائز ہوں گے)۔ اور اسی طرح بعض عرفا (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے کلام میں بھی یہی (آیا) ہے۔
انسانی جسم چار متضاد عناصر (خاک، ہوا، پانی اور آگ) سے مرکب ہے۔ اور یہ چاروں جسم میں حقیقتاً جمع ہیں۔ خاک کا مکان جسم میں ظاہر و عیاں ہے اور خاک میں پانی کا ایک اور مکان ہے، جو لطیف ہے اور پانی کی لطافت کے

لائق - اس پانی میں ہوا کا ایک اور مکان ہے جو پانی کے مکان سے زیادہ لطیف ہے - پھر اس ہوا میں آگ کا ایک اور مکان ہے جو ہوا کے مکان سے زیادہ لطیف ہے، اور روح، قالب (جسم) کے تمام ذروں میں، مکان، حلول میں اُترے بغیر، حقیقتاً موجود ہے، جب کہ انتقال (جگہ بدلنا) کا تعلق اجسام کے عوارض سے ہے اور اجسام کے عوارض میں سے کوئی چیز روح پر نافذ نہیں ہے - تو اسی طرح رب العالمین (کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور اس کا ذکر عظیم ہے) کی ذات اقدس آفرینش کے تمام ذروں کے ساتھ حقیقتاً موجود ہے، کسی حلول، اتصال اور انفصال کے بغیر اور کسی تماس اور نزدیکی کے بغیر وہ سب کے ساتھ ہوتے ہوئے سب کے بغیر ہے، سب سے دور، سب کے نزدیک - نزدیک ایسا جو نہ متصل ہے نہ دور، نہ منفصل - بندہ کی نزدیکی و دوری کے کیا کہنے۔

واہ وا بندہ کی حضوری اور عدم حضوری، بندے کے باکمال جمال اور نابینائی پر آفرین ہے، دل و جان کے درمیان نا گذران (گزر نہ ہونے) کے کیا کہنے، نہ ہے حاصلِ دل اور دل اس (خدا) سے حاصل (واصل) - حدیث قدسی ہے: " لم یسعنی ارضی و لا سمائی ووسعنی قلب عبدی المومن انا جلیس فی ذکرنی و انا معہٗ اذا دعانی -" (نہ میری زمین اور نہ میرا آسمان مجھے اپنے اندر سمو سکتا ہے، جب کہ میرے مومن بندے کا دل مجھے اپنے اندر سمو لیتا ہے - میں اپنے ذکر میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں، اور جب وہ مجھے پکارے تو میں اس کا ساتھی ہوتا ہوں)۔

اور بعض عرفا (رحمہم اللہ) کے کلام میں اللہ سبحانہٗ کے فرمان کے بارے میں ہے، " الرحمٰن علی العرش استویٰ " (اللہ تعالیٰ عرش پر جاگزیں ہوگیا) - صورت (دنیا) کے بادشاہوں کا حرم خاص ہوتا ہے، جب کہ دربار عام، جہاں وہ نوازنے جانے والوں کو خلعت عطا کرتے ہیں - وہیں مجرموں کو سزا دی جاتی ہے۔ پھر نظام مملکت کی تربیت بھی اسی بارگاہِ عام میں ہوتی ہے، لیکن بادشاہ کے حرم میں خواص کے سوا کسی اور کو داخلے کی اجازت نہیں - تو عرش مجید بادشاہوں کے بادشاہ، جلّ ذکرہٗ کی بارگاہِ عام ہے اور لفظ "استوا" اشارہ ہے دوام کی طرف - بے پردہ کا ظہور بھی ہمیشہ طلوع پذیر ہے، دوپہر کے وقت اور دوپہر کے علاوہ بھی، لیکن ارباب حاجات کو نور کا حصہ وقت استوا ہی میں پورا ملتا ہے اور اس سے زیادہ استوا کی مثال بیان نہیں کی جا سکتی، وللہ المثل الاعلیٰ (اور اس کی مثال بلند ہے) اور اس کا دیکھا جانا ذوق و مشاہدہ کے سوا ممکن نہیں۔

حرم خاص میں انبیا اور اولیا کے علاوہ اور کسی کو آنے کی اجازت نہیں۔ حقیقت کا لباس وہیں (حرم خاص میں) پہنایا جاتا ہے - خداوند عالم، جلّ ذکرہٗ، غیور ہے - صمدیت کے اسرار کسی بھی منکر اور معاند کے سامنے نہیں لاتا۔

جب شہنشاہِ عالم جل جلالہ کسی بندے کی خیر خواہی کا طالب ہوتا ہے تو اسے خود سے آشنا اور اپنے قرب سے اسے بینا کر دیتا ہے:

و ھناک مالا عین رأت و لا اذن سمعت و لا خطر علی قلب بشر، واللہ سبحانہ الموفق۔

(اور وہاں وہ چیزیں ہیں جنھیں کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، کسی کان نے نہیں سنا اور نہ وہ کسی بشر کے دل میں خیال کے طور پر بھی گذریں۔ اور اللہ تعالیٰ پاک ہے توفیق دینے والا)۔

بعض اکابر عرفا کے کلام میں ہے:

وہ نشان کے سوا کچھ بھی نہیں ہیں، پس وہ صرف جسم ہیں، لیکن جسم بھی مختلف نظاموں والے ہوا کرتے ہیں۔ ان میں سے بعض تو لطیف روحیں ہوتی ہیں اور بعض ان میں سے کثیف صورتیں ہوتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں کہ نہ تو مکان انھیں محدود کر سکتا ہے اور نہ زمان ان کو مقید کر سکتا ہے۔ تو اپنے معاملے کا سارا دارومدار ایمان اور تقویٰ پر رکھ تاکہ یہ معاملات تجھ پر واضح ہو جائیں اور اس بات سے بچ کہ تجھے دھوکا دیا جائے کیونکہ شک و شبہ مسائل کی ظاہری صورتوں ہی میں ظاہر ہوتا ہے۔

بعض عرفا رحمہم اللہ کے کلام میں بھی اسی طرح معرفت زمان اور معرفتِ حقیقت کی بات ہوئی ہے جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون"

(بے شک جب وہ کسی شے کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے)۔

نیز زمان جسمانیات ہے یا زمان روحانیات۔

پہلی قسم، زمان جسمانیات کے کچھ مرتبے ہیں۔ زمانِ جسمانیات کا پہلا مرتبہ کثیف ہے۔ یہ زمان آسمانوں کی گردش سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ جیسا کہ سال گذشتہ، امسال، دیروز، امروز، فردا وغیرہ۔ اس زمان کی درازی کا ادراک تو ہی واضح ہے۔ یعنی سال طویل و دراز ہے اور مہینا اس سے چھوٹا ہے۔ پھر اس میں ماضی و حال اور مستقبل ہے۔ اس زمان میں مضایقہ (تنگی) بھی ہے اور مزاحمہ (رکاوٹ) بھی۔ وہ اس طرح کہ جب تک کل نہیں گذر گیا آج نہیں آیا اور جب تک آج نہیں گذرے گا فردا نہیں آئے گا۔

زمانِ جسمانیات کا دوسرا مرتبہ لطیف ہے۔ یہ زمان جنّیاں (جنّوں کا زمان) ہے۔ جسمانیاتِ کثیف کے زمان میں کچھ درازی ہے اس میں اس کو کم ہے۔ اس زمان میں ایک دن میں جتنا کوئی کام کرتا ہے اتنا کام جسمانیات

کثیف کے زمان میں ایک ماہ یا ایک سال میں بھی نہیں کیا جا سکتا، جیسا کہ جنوں اور شیطانوں کی شرعیت کا رکے بارے میں تو نے سنا ہے۔ نیز جنوں کی اولاد ایک دن میں اتنی نشو و نما پا جاتی ہے جتنی اولادِ آدم دو سال میں پاتی ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نشو و نما اس زمان میں ہوتی ہے جس کا تھوڑا، بہت اور کوتاہ، طویل ہے، اور اس زمان کا بھی ماضی، حال اور مستقبل ہے۔ ان کا کل اور فردا آدمیوں کا پارسال اور امسال ہے اور یہ بات تحدید (حدبندی) کے انداز میں نہیں بلکہ باندازِ تقرب ہے، اس کے لیے دلیل نہیں لائی جا سکتی، لیکن اربابِ بصیرت کو اس میں شک نہیں ہے۔

دوسری قسم زمانِ روحانیات و ارواح ہے۔ اس کی بھی آگے کئی قسمیں ہیں۔ جنوں کے زمان میں جو کچھ دراز ہے اور بہت ہے، ملائکہ کے زمان میں وہ کوتاہ (چھوٹا) ہے اور تھوڑا۔ اس زمان میں ہزار سال کا عرصہ ایک پل ہے۔ گویا جو کوئی اس زمان میں کام کرے گا وہ ہزار سالہ کام ایک پل میں کر لے گا۔ اس زمان میں کوئی مضایقہ اور مزاحمت نہیں ہے۔ اس میں ہزار سال گذشتہ آنے والے ہزار سالوں میں جمع ہو سکتے ہیں۔ (لیکن) یہ زمان ازل اور ابد کو محیط نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمان متناہی، زمان لامتناہی کو محیط نہیں ہوتا، اور یہ زمانِ ملائکہ ہے۔

اس سلسلے میں اس مختصر سی بحث ہی پر اکتفا کیا جاتا ہے تاکہ تجھ (قاری) پر یہ بات روشن ہو جائے اور تو جان لے کہ خدائے بزرگ و برتر جل ذکرہ، کہ جس کا وجوبِ وجود (وجود کا لازم و واجب ہونا) آغاز و بدایت کی سمت اور انتہا کے نقص سے پاک ہے اور جس کی ذات یکتا زمان و مکاں سے نسبت سے بلند ہے، زمان کی تنگنا سے (کہ آسمانوں کی گردش سے وجود میں آتی ہے) منزہ و مقدس ہے۔

سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، معراج کی رات زمان و مکان کی تنگنا سے باہر نکل گئے، اور ازل و ابد کا مضیق (تنگ جگہ) سے، جیسا کہ لوگ سمجھتے ہیں، برتر و بالا تشریف لے گئے۔ (حضورؐ نے) عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھا اور ان سے، اس عالم میں کہ وہ بہشت میں داخل ہو رہے تھے، گفتگو فرمائی، یہ مکالمہ حقیقی تھا مجازی نہیں، یعنی اس حالت میں کہ جو ظاہری لحاظ سے (از راہِ صورت) پچاس ہزار برس کے بعد ہو سکتی ہے۔ قصۂ معراج میں (حضورؐ نے) فرمایا "رایت عبد الرحمن بن عوف یدخل حبوا" (میں نے عبدالرحمٰن بن عوف کو سامنے سے داخل ہوتے دیکھا)۔ پھر فرمایا: میں نے اس سے کہا تو دیر سے کیوں آیا ہے۔ اس نے جواب دیا: یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھ پر جو مصیبتیں نازل ہوئیں وہ بچوں کو بوڑھا کر دیتی ہیں،

ان مصائب کے سبب مجھے یوں محسوس ہوا کہ میں موت سے پہلے (۷) حضورؐ کو نہ دیکھ پاؤں گا۔

حدیث: حق تعالیٰ ایک ہی قدرت سے تمام لامتناہی مقدورات پر قادر ہے۔ اللہ سبحانہٗ کی قدرت کی نسبت سے ازل اور ابد ایک طرفۃ العین (پلک جھپکنے) سے بھی کم تر ہیں۔ وہ ماضی، مستقبل، گزرنے، آنے، تعدد اور تجدد سے پاک ہے۔ اور یہ عالم قدیم کی چاشنی (قوام) ہے۔ اہل بدعت چونکہ انوار الٰہی سے محروم و محجوب رہے، اس لیے قرآن کی قدامت کے منکر ہو گئے، اور کہنے لگے کہ اس وقت جب کہ موسیٰ بھی نہ تھے (۹) اور کوہ طور نہ تھا، پھر کیونکر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: اپنے جوتے اُتار دے بیشک تو طویٰ کی مقدس وادی میں ہے۔ یہ بے چارے (اہل بدعت) اگر زماں کی تنگنا سے کبھی گذرے ہوتے، عالم صورت کی تنگ وادی سے ایک لمحے کے لیے انھوں نے رہائی پائی ہوتی اور روحانیات کے زمانوں میں کبھی ان کو سفر درپیش آیا ہوتا یا وہ وہاں سے گذرے ہوتے تو اس قسم کا رکیک خیال اور شبہ ان کے ایمان پر ڈاکا نہ ڈالتا۔

واضح ہو کہ اگر انسانی روح قوت حاصل کر لے اور مختلف قسم کے تزکیہ و تصفیہ سے صاحب شریعت صلوات اللہ وسلام کی پیروی و متابعت میں ڈھل جائے تو ایک دن وہ قالبِ کثیف کو جسمانیاتِ لطیف کے زماں میں لے جا سکتی ہے اور اس طرح ایک دن میں وہ اتنا کام کر لے کہ کوئی دوسرا اسے ایک سال میں بھی نہ نپٹا سکے۔ حضرت خضر علیہ السلام کے قصے میں آیا ہے کہ بندگی کی اس صورت میں ایک روز انھوں نے پہاڑ کا کچھ حصہ کھودا اور اس کی حد کو ایک ہموار اور سیدھی زمین میں بدل دیا اور وہاں کی مٹی کو وہ کسی اور جگہ لے گئے۔ یہ قصہ "نوادر الاصول" کے آخر میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔

شیخ ابو الحسن خرقانی (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک فرمائے) سے منقول ہے کہ انھوں نے فرمایا: ایک رات ہمیں ہم سے لے لیا گیا (ہوش نہ رہا) اور ہمارے تمام اوراد ہم سے جاتے رہے۔ اور جب ہمیں ہم کو لوٹا دیا گیا تو ہمارے چہرے کے بال (ڈاڑھی) ابھی تک وضو کے پانی سے تر تھے۔ اور ان مقامات و احوال کے مالک کہتے ہیں کہ ہمارے احباب میں ایک ایسا بھی شخص ہے جس نے ایک ساعت سے کم وقت میں سارا قرآن کریم سو مرتبہ، ایک ایک حرف اور ایک ایک آیت پڑھ کر ختم کیا ہے، اور یہ حالت اس پر کئی مرتبہ طاری ہوئی ہے۔

اگر قوتِ روح کمال کو پہنچ جائے تو ایسا ممکن ہے کہ وہ قالب کو روحانیات کے زماں میں لے جائے اور ایک پل میں ہزار سال کا کام کر ڈالے۔ اور حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج کا واقعہ اس مقام ہی میں تھا کیونکہ

سے بھی میں مملکت کی تفصیلات، ایک ایک کر کے حضورؐ کے سامنے پیش کی گئیں اور خود (حضور نے) حق تعالیٰ سے راز باتیں سنیں، لیکن جب حضورؐ وہاں سے لوٹے تو حضورؐ کا بستر ابھی گرم تھا۔

منقول ہے کہ حضرت جنید (اللہ تعالیٰ ان کی روح کو پاک فرمائے) کے کوئی ہم نشین دجلہ کے کنارے غُسل کرنے کی خاطر گئے، انھوں نے لباس اتارا اور پانی میں چلے گئے اور اسی لمحہ وہ ہندوستان بھی پہنچ گئے۔ وہاں انھوں نے شادی کی جس سے ان کے یہاں اولاد ہوئی۔ وہاں وہ کئی برس رہے۔ آخر ایک موقع پر انھوں نے پھر خود کو پانی میں پایا اور یہ دریا یہ دجلہ ہی تھا۔ انھیں اپنا لباس اسی جگہ سے مل گیا جہاں انھوں نے رکھا تھا۔ چنانچہ لباس پہن کر وہ خانقاہ کو چل دیے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ان کے احباب اسی نماز کے لیے (جس کے لیے انھوں نے غسل کرنا چاہا تھا) وضو کر رہے ہیں۔ تو جب کوئی سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو وہ ہزار سالہ عبادت ایک سانس میں کر سکتا ہے۔ اسی بنا پر بزرگان طریقت نے (اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو پاک فرمائے) فرمایا ہے کہ سالک کا ایک نفس (سانس، پل) عام ہزار سالوں کے برابر ہے۔

زمان و مکاں کے اسرار سے متعلق یہاں جو کچھ کہا گیا ہے وہ بحرِ بیکراں سے لیے گئے ایک قطرے کی مانند ہے اور ابھی سمندر کی تہ میں بے شمار قیمتی موتی پڑے ہیں۔ "کم من جنایا فی الزوایہ" (کتنے ہی موتی گوشوں میں چھپے ہیں)۔

واضح ہو کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ازلی اور ابدی ہے اور اس ذاتِ باری کی بات ایک ہے جو تعدُّد اور تجدُّد کو قبول نہیں کرتی اور وہ ایسے ازل سے، جس کی کوئی ابتدا نہیں، اس ابد تک، جس کی کوئی انتہا نہیں، اس ایک کلام سے گویا ہے، اور اس میں کوئی بندش یا انقطاع نہیں۔ اس نے وجود میں آنے والی تمام اشیا کو صرف ایک جملے "کن فیکون" (ہو جا اور وہ ہو گیا) سے وجود عطا کیا ہے، اور یہ جملہ ازل اور ابد کو محیط ہے۔ وہ ایک ارادے کے ساتھ ارادہ کنندہ ہے، اس کا تمام مقصود و مراد (ارادہ شدہ) ازل سے ابد تک ہے اور اسی طرح تمام مُرادات (وہ چیزیں جن کا ارادہ کیا گیا ہو) کی بقیہ صفات اس جل شانہٗ کے ارادے کے مطابق ہیں، نہ کم اور نہ زیادہ اور نہ پیچھے نہ آگے۔ مثال کے طور پر آدم علیہ السلام کی طینت (سرشت، خلقت) سے اس نے فرمایا، فلاں وقت تک فلاں جگہ رہ۔ تو بلا شبہ مکہ اور طائف کے درمیان چالیس

(باقی صفحہ ۵۶ پر)